اس زہریلی چیز سے خالی کرلے' تاکہ یہ زہر مؤثر ہو کر اس کے جسم کے ضیاع کا باعث نہ بن جائے جو چند روز بعد فنا ہونے والا ہے' یہی حال اس شخص کا ہونا چاہئے جو دین کا زہر کھالے' یعنی گناہ کرلے' اس کے لئے بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ وہ گناہوں سے رکے' اور اگر مرتکب ہوجائے تو فوری طور پر تدارک کرے تاکہ آخرت تباہ نہ ہو جس میں دائمی نعمتیں اور پائدار لذتیں ہیں' اگر آخرت تباہ ہوئی' تو پھر دوزخ کی آگ' اور جہنم کے عذاب کے سوا کچھ ملنے والا نہیں ہے یہ سزا اتنے طویل عرصے تک بھگتنی ہوگی جس کی کوئی تحدید نہیں کی جاسکتی' آخرت کے دنوں کو دنیا کے دنوں سے ذرا بھی مناسبت نہیں ہے' جب صورت حال یہ ہے تو گناہ گار کے لئے ضروری ہے کہ وہ توبہ ہی کی طرف سبقت کرے' ایسا نہ ہو کہ تاخیر کرنے سے گناہوں کا زہر روح میں سرایت کرجائے' اور پھر طبیب بھی اسکا علاج نہ کرسکے' نہ اس کے لئے پرہیز مفید ہو' نہ وعظ و نصیحت سے کام بنے اور تباہ حال لوگوں کے زمرے میں اسکا شمار ہوجائے' اور اس آیت کا مصداق بنے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنَاهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (پ ۲۲ ر ۱۸ آیت ۸ تا ۱۰)

ہم نے انکی گردنوں میں طوق ڈال دئے ہیں پھر وہ ٹھوریوں تک ہیں جس سے ان کے سر الل گئے اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کردی' اور ایک آڑ انکے پیچھے کردی' جس سے ہم نے انکو (ہر طرف سے) گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں' یہ ایمان نہ لائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس آیت میں کافروں کا ذکر ہے' کیونکہ ہم یہ بات واضح کرچکے ہیں کہ ایمان کے ستّر سے زائد شعبے ہیں اور یہ کہ زانی حالت زنا میں مومن نہیں رہتا' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اس ایمان سے دور ہوگا جو شاخ اور فرع کی مانند ہے وہ خاتمے کے وقت اصل ایمان سے بھی محجوب ہوگا' جس طرح وہ شخص جو تمام اعضاء سے محروم ہو جلد مرجاتا ہے کیونکہ اصل شاخوں کے بغیر قائم نہیں رہتی اور شاخیں بغیر اصل کے باقی نہیں رہتیں' اصل اور فرع میں صرف ایک فرق ہے فرع کا وجود اور اس کی بقاء دونوں اصل کے وجود پر منحصر ہیں جب کہ اصل کا وجود فرع پر منحصر نہیں' البتہ اسکی بقا فرع پر منحصر ہے۔

علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ لازم و ملزوم ہیں : علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ دونوں لازم و ملزوم ہیں جیسے فرع و اصل ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں' ایک دوسرے سے مستغنی نہیں رہ سکتا' اگرچہ ایک اصل کے مرتبے میں ہے' اور ایک تابع کی حیثیت رکھتا ہے' علوم مکاشفہ اصل ہیں' اور علوم معاملہ فرع کے قائم مقام ہیں' علوم معاملہ سے اگر آدمی کو عمل پر تحریک نہ ہو تو اسکے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے' اسلئے کہ ان کا جو اثر یا جو فائدہ ہونا چاہئے تھا' وہ نہیں ہوا اسلئے وہ وبال جان بنیں گے' اور تارک عمل پر حجت قائم کریں گے' اسی لئے اگر عالم گناہ کرتا ہے تو اسے جاہل گناہ گار کی بہ نسبت زیادہ گناہ ملتا ہے' اس سلسلے میں جو آیات و روایات وارد ہیں وہ کتاب العلم میں لکھی جاچکی ہیں۔

وجوب توبہ کی عمومیت : وجوب توبہ کی عمومیت اس آیت سے ثابت ہے۔ اہل ایمان کو خطاب عام ہے۔

تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ ۱۸ ر ۱۰ آیت ۳۱)

اے مسلمانوں! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

نور بصیرت سے بھی اسی حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے' اس لئے کہ توبہ کے معنی ہیں اس راستے پر واپسی جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والا ہے' اور شیطان سے قریب کرنے والا ہے اور یہ رجوع صرف عاقل ہی سے ممکن ہے۔

عقل کب کامل ہوتی ہے : عقل کی اصل اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک شہوت' غضب اور ان تمام صفات

مذمومہ کی اصل جو انسان کی گمراہی کے لئے شیطان نے بطور وسیلہ اختیار کر رکھی ہیں' درجۂ کمال تک نہیں پہنچتی' جب آدمی چالیس برس کی عمر کو پہنچتا ہے تب اس کی عقل مکمل ہوتی ہے البتہ اصل عقل سن بلوغ تک پہنچنے تک مکمل ہو جاتی ہے اور اس کے مبادی سات سال کی عمر سے ظاہر ہونے لگتے ہیں' شہوات شیطانی لشکر ہیں' اور عقل ملائکہ کی فوج ہے' جب یہ دونوں فوجیں کسی ایک مقام پر جمع ہوتی ہیں تو ان میں جنگ برپا ہوتی ہے اسلئے کہ ایک کے سامنے دوسرا ٹھہر نہیں سکتا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں' ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے جس طرح رات اور دن میں' روشنی اور تاریکی میں اجتماع نہیں ہو سکتا' اگر ایک غالب آجائے تو دوسرے کا وجود کسی حال میں باقی نہیں رہتا' اور کیوں کہ شہوات کمال عقل سے پہلے ہی جوانی اور بچپن کے زمانے میں انسان پر غالب آجاتی ہیں' اس لیے شیطان کے قدم عقل سے پہلے ہی راسخ ہو جاتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ دل عموماً شہوات کی محبت و انسیت میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی گلو خلاصی مشکل ہو جاتی ہے' پھر جب عقل ظاہر ہو جاتی ہے جو اللہ کی جماعت اور اسکا لشکر ہے' اور اولیاء اللہ کو دشمنان خدا کے ہاتھوں سے بتدریج نجات دلانے والی ہے' اس لئے اگر عقل میں قوت و کمال نہ ہو گا تو شیطان اپنا کہا کر دکھائے گا' اور میدان اس کے ہاتھ رہے گا

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا (پ ۵ ر ۷ آیت ۴)

تو میں (بھی) بجز قدر قلیل اسکی اولاد کو اپنے بس میں کروں گا۔

جب عقل پختہ اور مکمل ہو جاتی ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ شہوات کا زور توڑ کر' عادات سے کنارہ کش ہو کر اور طبیعت کو زبردستی عبادات کی طرف مائل کر کے شیطانی فوجوں کو عبرتناک شکست دے' یہی توبہ کے معنی ہیں کہ آدمی اس راہ سے انحراف کرے جس کا رہبر شیطان ہے اور جس کی رہنما شہوت ہے اور اس راستے پر چلے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔

شہوت عقل پر مقدم ہے : ہر انسان میں عقل سے پہلے شہوت ہوتی ہے شہوت کی عزیمت عقل کی عزیمت پر مقدم ہوتی ہے' اسلئے شہوات کی اتباع میں جو اعمال سرزد ہوئے ہوں ان سے رجوع کرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے خواہ وہ نبی ہو یا غبی' یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ رجوع کرنا صرف حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصیت تھی بلکہ یہ تو حکم ازلی ہے جو جنس انسان کے ہر فرد پر لکھا ہوا ہے' اس کے خلاف فرض کرنا ممکن ہی نہیں ہے جب تک سنت الٰہیہ میں تبدیلی نہ ہو۔

اگر کوئی شخص حالت بلوغ میں کفر یا جہل پر ہو اس کے لئے ان سے توبہ کرنا ضروری ہے' اور اگر کوئی شخص اپنے والدین کی اتباع میں مسلمان ہوا ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے' اسپر واجب ہے کہ وہ اپنی اس جہالت اور غفلت سے توبہ کرے اور یہ توبہ اسطرح ہو گی کہ اسلام کی حقیقت سمجھے' اور یہ جانے کہ والدین کے اسلام سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہو گا' جب تک خود مسلمان نہ ہو' جب یہ بات جان لے تو شہوات کی الفت اور بے راہ روی کی محبت سے تائب ہونا اور صحیح راستے پر چلنا بھی ضروری ہے' یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود کی رعایت اور فرائض کی پابندی کرے' خواہ دینے میں ہو یا لینے میں' عمل میں ہو یا ترک عمل میں' اور یہ مرحلہ توبہ کا دشوار ترین مرحلہ ہے' اکثر لوگ یہیں پہنچ کر ہلاک ہوئے ہیں کہ خواہش کے باوجود رجوع نہ کر سکے۔

توبہ فرض عین ہے : اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ توبہ ہر شخص کے لئے فرض عین ہے' کوئی فرد بشر بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا' جب حضرت آدم علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر' اور انسانی سلسلے کے پہلے فرد اس سے بے نیاز نہ رہ سکے تو دوسرے لوگ کیسے رہ سکتے ہیں۔

وجوب توبہ کی عمومیت کا سبب : توبہ ہر حال میں اور ہمیشہ واجب ہے اس لئے کہ کسی بھی شخص کے اعضاء گناہ سے خالی نہیں ہیں' اس سے انبیاء کرام تک محفوظ نہ رہ سکے جیسا کہ قرآن کریم میں ان کی خطاؤں کا' ان پر پشیمانی' گریہ و زاری کا ذکر ہے'

کبھی ضعیف ہوتا ہے، لیکن جب قلب خاطرِ اوّل کی طرف پوری طرح متوجہ رہتا ہے تو یہ قصد مؤکد ارادہ پختہ اور عزم جازم ہو جاتا ہے، بعض اوقات ارادے کی پختگی کے باوجود آدمی کسی وجہ سے مثلاً ندامت کی بنا پر فعل کا مرتکب نہیں ہوتا، کبھی غفلت کے باعث فعل کا دھیان نہیں رہتا، کبھی کوئی ایسا مانع پیش آجاتا ہے کہ چاہنے کے باوجود بھی اس ارادے کو عملی جامہ پہنانا دشوار ہو جاتا ہے۔

عمل سے پہلے دل کی چار حالتیں : خلاصہ یہ ہے کہ اعضا کے عمل سے پہلے چار حالتیں ہوتی ہیں، حدیثِ نفس، میلانِ طبع، اعتقاد، عزم ان چار حالتوں کا حکم الگ الگ ہے۔ جہاں تک خاطر یعنی حدیثِ نفس کا تعلق ہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے، یہی حکم میلانِ طبع کا ہے، یہ حالت بھی اختیاری نہیں ہے، یہی دونوں حالتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں مراد ہیں کہ میری اُمّت سے ان کے دلوں کی باتیں معاف کردی گئی ہیں۔ حدیثِ نفس کہتے ہی ہیں ان خواطر کو جو دل میں گذریں اور جن پر عمل کرنے کا عزم نہ ہو، عزم وارادے کو حدیثِ نفس نہیں کہتے، حدیثِ نفس کی مثال حضرت عثمان بن مظعون کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:۔

نفسی تحدثنی ان اطلق خولته، قال مهلا ان من سنتی النکاح، قال نفسی تحدثنی ان اجب نفسی قال: مهلا خصاء امتی دوب الصیام، قال نفسی تحدثنی ان اترهب، قال: مهلا رهبانیة امتی الجهاد والحج، قال: نفسی تحدثنی ان اترک اللحم، قال: مهلا فانی احبه ولو اصبته لاکلته ولو سالت الله لاطعمنیه۔[1]

میرا دل یہ کہتا ہے کہ میں خولہ (بیوی) کو طلاق دے دوں آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، نکاح میری سنّت ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو خصی کرلوں فرمایا: ایسا نہ کرو، میری اُمّت میں خصی ہونا ہمیشہ روزہ رکھنا ہے، عرض کیا: میرا دل کہتا ہے کہ میں راہب (تارکُ الدّنیا) بن جاؤں، فرمایا: ایسا نہ کرو، میری امت کی رہبانیت جہاد اور حج ہے، عرض کیا: میرا دل چاہتا ہے کہ گوشت چھوڑ دوں، فرمایا: ایسا نہ کرو، مجھے گوشت مرغوب ہے، مل جاتا ہے تو کھالیتا ہوں، اگر میں اللہ تعالیٰ سے اس کی درخواست کروں تو وہ مجھے کھلا دے۔

یہ وہ خواطر تھے جن پر عمل کا عزم نہیں تھا، یہی خواطر حدیثِ نفس کہلاتے ہیں، چنانچہ اسی لیے حضرت عثمان بن مظعون نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا، قلب کی تیسری حالت اعتقاد ہے، یعنی دل کا یہ حکم لگانا کہ اس فعل کا کرنا مناسب ہے، یہ اعتقاد اختیاری بھی ہوتا ہے، اور اضطراری بھی، اختیاری پر مواخذہ ہے اضطراری پر نہیں ہے۔ چوتھی حالت یعنی فعل کا ارادہ کرنا قابلِ مواخذہ ہے، اگر کسی وجہ سے وہ فعل نہ کرسکا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا رُکنا ندامت یا خوفِ خدا کی وجہ سے ہے یا نہیں، اگر خوفِ خدا اور ندامت نے اسے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا ہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی، کیوں کہ معصیت کا عزم کرنا معصیت ہے، اور اس سے رُکنا اور نفس پر مجاہدہ کرنا نیکی ہے۔ طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہو کر اس نے معصیت کا ارادہ کیا تھا اس کا یہ عمل باری تعالیٰ سے مکمل اعراض اور غفلت پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس نے معصیت کا ارادہ ترک کرکے جو مجاہدہ کیا ہے وہ یقیناً بڑی بات ہے، اگر اس نے ارادہ معصیت سے شیطان کی اِتباع کی تھی تو اس سے رُک کر طبیعت کی مخالفت کی ہے، اس لیے وہ ایک نیکی کا مستحق ہے، البتہ اگر اس نے کسی مانع یا عُذر کی بنا پر اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا تو ایک بُرائی لکھی جائے گی، کیونکہ قلب کا ارادہ اختیاری فعل ہے، اس تفصیل پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قالت الملائکة علیهم السلام، رب ذاک عبدک یرید ان یعمل سیئة و هو ابصر به فقال: ارقبوه فان هو عملها فاکتبوها له بمثلها وان ترکها فاکتبوها له حسنة وانما

---

[1] اس روایت کے مختلف ٹکڑے دارمی، بغوی، طبرانی، احمد، ابو یعلی اور ابو داؤد وغیرہ کتبِ حدیث میں صحیح اسناد کے ساتھ متعدّد صحابہؓ سے منقول ہیں، یہ حدیث احیاء العلوم کی تفصیل کے مطابق حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں سعید بن المسیب سے مرسلاً نقل کی ہے۔

ترکھامن جرائی۔
ملائکہ علیہم السلام باری تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اے اللہ! یہ تیرا بندہ گناہ کرنا چاہتا ہے' (حالانکہ خدا کو اس کا حال زیادہ معلوم ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس کی نگرانی کرو' اگر وہ ارادے پر عمل کرلے تو اس کے برابر برائی لکھ لو اور اگر وہ چھوڑدے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھو کیونکہ اس نے میری وجہ سے یہ گناہ چھوڑا ہے۔

جن روایات میں مَنْ لَمْ یَعْمَلْھَا (اس ارادے پر عمل نہیں کیا) آیا ہے اس میں بھی اللہ کے خوف سے چھوڑنا مراد ہے' اگر کوئی شخص کسی گناہ کا عزم کرے پھر وہ غفلت کے باعث یا کسی اور وجہ سے اس گناہ کا ارتکاب نہ کرسکے تو وہ نیکی کا مستحق کیوں ہوگا؟
حدیث شریف میں ہے:۔ انما یحشر الناس علی نیاتھم[1] آدمی اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص رات کو یہ نیت کرے کہ میں صبح کو فلاں مسلمان کو قتل کروں گا یا فلاں عورت کے ساتھ زنا کروں گا اور صبح ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ اپنے ارادہ و عزم پر مرے گا اور اسی نیت پر اس کا حشر ہوگا' حالانکہ اس نے ارتکاب نہیں کیا تھا' اس امر پر قطعی دلالت اس روایت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار' فقیل یارسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول' قال لانہ اراد قتل صاحبہ۔ (بخاری و مسلم۔ ابوبکرۃ)

جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آمنے سامنے آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ قاتل کا دوزخ میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے' مقتول کو کیا ہوا وہ دوزخ میں کیوں جائے گا' فرمایا اس لیے کہ اس نے اپنے ساتھی (قاتل) کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

معلوم ہوا کہ مقتول محض اپنے ارادے و نیت کی بنا پر دوزخ کا مستحق ہے' بظاہر وہ مظلوم تھا اور قاتل نے ظلماً اسے قتل کیا تھا' اس صراحت کے بعد یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نیتوں اور ارادوں پر مواخذہ نہیں فرمائیں گے' اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ ہر وہ قصد قابل مواخذہ ہے جو اختیار کے تحت ہو' ہاں اگر وہ کسی نیکی کے ذریعہ اس قصد کا کفارہ ادا کردے تو اس کے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے گی' کیونکہ ندامت کی وجہ سے عزم کو فسخ کرنا نیکی ہے' کسی مجبوری کی وجہ سے ترک فعل کرنا نیکی نہیں ہے' اس لیے پہلے پر اجر ملے گا اور دوسرے پر مواخذہ ہوگا' خواطر اور میلانِ طبع بندے کے اختیار میں نہیں ہیں' ان پر مواخذہ کرنا بندے کی طاقت سے باہر کی چیزوں پر مواخذہ کرنا ہے' قرآن کریم میں ہے:۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ (پ ۳ ر ۸ آیت ۲۸۴)

اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔

روایات میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو کچھ صحابی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم پر ایسی بات کا حکم ہوا ہے جو ہماری طاقت سے باہر ہے' ہمارے دلوں میں بہت سی باتیں ایسی گذرتی ہیں کہ ان کا دل میں رہنا ہمیں منظور نہیں ہوتا' اس آیت کی رو سے ہماری وہ باتیں بھی قابلِ مواخذہ ہوں گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غالباً تم بھی یہودیوں کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (ہم نے سنا اور نافرمانی کی) تمہیں تو یہ کہنا چاہئے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سُنا اور اطاعت کی) صحابہ نے سمع و طاعت کا اعتراف کیا' ایک سال بعد مندرجہ ذیل آیت کے ذریعہ یہ تنگی دور ہوئی۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[2]

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت و اختیار میں ہو۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ قلب کے جو اعمال بندے کے دائرۂ اختیار سے خارج ہیں' ان پر مواخذہ نہیں ہے' بعض لوگ ان

---

(۱) ابن ماجہ میں لفظ "اِنَّمَا" کے حذف کے ساتھ۔ مسلم میں یہ روایت امّ سلمہؓ اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ (۲) یہ روایت مسلم شریف میں ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

اعمال میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ جو کچھ دل میں آئے اسے حدیث نفس یا خاطر کہہ دیتے ہیں' ان کی یہ رائے درست نہیں ہے' قلب کے اعمال پر مواخذہ کیوں نہ ہو جب کہ کبر' عجب' ریا' اور حسد وغیرہ قلب کے اعمال ہیں' اور آیات و روایات سے ان پر مواخذہ ثابت ہے۔ اصل یہی ہے کہ جو اعمال بندے کے اختیار میں ہیں خواہ وہ آنکھ کے ہوں یا کان کے ہوں یا دل کے ہوں سب پر مواخذہ ہو گا' چنانچہ اگر کسی نا محرم عورت پر بلا اختیار نظر پڑ جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے' لیکن اگر دوبارہ قصد و ارادے کے ساتھ اس پر نظر ڈالی تو مواخذہ ہو گا۔ یہی حال قلب کے خواطر کا ہے' بلکہ پہلے مواخذہ قلب ہی سے ہونا چاہئے کیوں کہ قلب ہی اصل ہے' چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:۔

التَّقْوٰی هٰهُنَا (مسلم۔ ابو ہریرۃ)

تقویٰ یہاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (پ ۱۷ ر ۱۲ آیت ۳۷)

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون' لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

الاثم حواز القلوب۔ (۱)

گناہ دلوں میں کھٹکنے والا ہے

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

البر ما اطمأن الیہ القلب وان افتوک وافتوک (۲) (طبرانی۔ ابو ثعلبہ)

نیکی وہ ہے جس پر دل مطمئن ہو جائے اگرچہ لوگ تم پر فتویٰ لگائیں' فتویٰ لگائیں۔

ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر مفتی کے دل میں کسی امر کے وجوب کا خیال آیا اور وہ امر فی الحقیقت واجب نہیں ہے تب بھی اسے ثواب ملے گا' اسی طرح اگر کسی کے دل نے یہ گواہی دی کہ میں وضو سے ہوں' اس نے دل کی گواہی پر مطمئن ہو کر نماز پڑھ لی' پھر قرائن سے معلوم ہوا کہ نماز بلا وضو پڑھی گئی ہے تو اس نماز پر ثواب ملے گا' لیکن اگر طہارت کی گواہی کے بعد نماز چھوڑے گا تو گنہگار ہو گا' اسی طرح اگر کسی نے اجنبیہ سے یہ سمجھ کر جماع کر لیا کہ یہ میری بیوی ہے تو گنہگار نہ ہو گا' اس کے برعکس اگر یہ عورت منکوحہ ہوتی اور وہ اسے غیر سمجھ کر جماع کرتا تو گنہگار ہوتا۔ ان تمام مسائل میں قلب کو اہمیت دی گئی ہے' اعضاء کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

ذکر کے وقت قلب کے وسوسوں کا مکمل انقطاع

اس بحث کا موضوع یہ ہے کہ ذکر کے وقت قلب کے وساوس پورے طور پر ختم ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ احوالِ قلب کے نگراں' اور اس کے عجائب و صفات پر نظر رکھنے والے علماء کے اس سلسلے میں پانچ فریق ہیں۔

ایک فریق کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے وسوسہ ختم ہو جاتا ہے' حدیث میں ہے:۔

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گذر چکی ہے (۲) اسی مضمون کی ایک حدیث وابصہ سے مسند احمد میں منقول ہے' یہ دونوں روایتیں پہلے بھی گذر چکی ہیں۔

انسان کی تربیت کے لئے شریعت ضروری ہے

کیف خَلَقَ اللّٰہ الخَلْق؟ اور کیف دَبَّرَ اللّٰہ الخَلْقَ؟ کی تفصیل گزر چکی۔ اب نیا عنوان شروع ہوتا ہے اور وہ ہے الإنسان یحتاج فی تربیتہ إلی الشریعۃ یعنی انسان کی تربیت کے لئے ایک قانون ضروری ہے، کیونکہ انسان کے مزاج میں ایک خاص قسم کا اعتدال ہے، جو دیگر حیوانات کی بہ نسبت اکمل ہے۔ اور یہ مزاج کا اعتدال اس کی صورت نوعیہ کی دَین ہے یعنی انسان کا مزاج غایت درجہ معتدل اس لئے ہے کہ وہ ''انسان'' ہے۔

انسان کے مزاج کا یہ اعتدال چار چیزوں کا مرہون منت ہے یعنی چار باتیں پائی جائیں گی تو اس کا مزاج معتدل رہے گا، ورنہ اعتدال باقی نہ رہ سکے گا۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:

(۱) انسان کے لئے کچھ ایسے علوم ضروری ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہوں، جن کو انبیائے کرام نے پوری توجہ سے حاصل کئے ہوں اور وہ دوسروں کو پہنچائے ہوں اور دوسروں نے ان علوم میں انبیاء کی تقلید کی ہو۔

(۲) انسان کے پاس ایسی شریعت اور قانون ہو، جو علوم ربانیہ اور معارف الٰہیہ پر مشتمل ہو، اور اس قانون میں آرام سے زندگی گزارنے کی مفید تدبیریں بھی ہوں۔

(۳) انسان کے لئے ایسے قواعد وضوابط ضروری ہیں، جو اس کے افعال اختیاریہ سے بحث کریں اور ان کو اقسام خمسہ: واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام میں تقسیم کریں، تاکہ انسان واجب، مستحب اور مباح پر درجہ بہ درجہ عمل کرے اور مکروہ اور حرام سے بچے۔

(۴) سلوک کی کچھ ابتدائی تمہیدی باتیں بھی اس کو بتلائی جائیں، جن میں احوال ومقامات کی وضاحت ہو۔

مذکورہ چاروں باتیں انسان کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے، اور پھر اس کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں، انہی امور اربعہ سے انسان کے مزاج میں وہ اعتدال پیدا ہوگا جو اس کی صورت نوعیہ کا مقتضی ہے۔ اس لئے حکمت خداوندی میں ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی میں انسان کی قوت عقلیہ کی روزی کا سامان کریں۔ اور اس کو بہترین انسان پوری طرح متوجہ ہو کر حاصل کرے اور وہ علوم دوسروں کو پہنچائے، اور دوسرے لوگ ان علوم میں اس کی پیروی کریں یعنی سلسلۂ نبوت کا آغاز کیا جائے اور مذکورہ علوم نازل کئے جائیں تاکہ انسان کی پرورش کا سامان ہو، غرض جس طرح شہد کی مکھیوں کے نظم وانتظام کے لئے یعسوب کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح انسانوں کے لئے نبی کی شخصیت ضروری ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی گھاس خور مخلوق پیدا کریں تو ساتھ ہی ایسی چراگاہ بھی پیدا کرنا ضروری ہے جس میں وافر مقدار میں گھاس موجود ہو ایسی چراگاہ کے بغیر اس حیوان کی تربیت ناممکن ہے، کیونکہ گھاس کے بغیر وہ مخلوق کیسے جیئے گی؟!

غرض چراگاہ کا وجود اس حیوان کی پلاننگ میں داخل ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور اس کو ایک مخصوص قسم کی صورت نوعیہ دی، جو خاص علوم کی مقتضی ہے تو ضروری ہوا کہ اس کو مذکورہ علوم دئے جائیں، خواہ بلاواسطہ یا بالواسطہ، تاکہ وہ کمالِ مقدر حاصل کر سکے، کیونکہ ان علوم کے بغیر کمال مقدر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ غرض انسان کی پلاننگ میں اُن علوم کا دیا جانا بھی شامل ہے اور ان علوم پر عمل کرنے ہی کا نام ''تکلیف شرعی'' ہے۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کا مکلّف ہونا اس کی پلاننگ کا ایک جزء ہے۔

واعلم أنه لما كان اعتدالُ مزاج الإنسان بحَسب ماتعطيه الصورةُ النوعيةُ، لاَيَتِمُّ إلا:

[۱] بعلوم يتخلص إليها أزكاهم، ثم يقلّده الآخرون.

[۲] وبشريعة تشتمل على معارفَ إلٰهيةٍ، وتدبيراتٍ ارتفاقية؛

[۳] وقواعدَ تبحثُ عن الأعمال الاختيارية، وتُقَسِّمُهَا إلى الأقسام الخمسة: من الواجب، والمندوب إليه، والمباح، والمكروه، والحرام.

[٤] ومقدِّماتٍ تُبَيِّن مقامات الإحسان.

وجب في حكمة اللّٰه تعالى، ورحمته، أن يُهَيِّئَ في غيب قدسه رزقَ قُوَّته العقلية، يخلُص إليه أزكاهم، فيتلقاه من هنالك، وينقاد له سائر الناس، بمنزلة ما ترى في نوع النحل من يعسوبٍ يدبِّر لسائر أفرادها.

لولا هذا التلقِّي بواسطة، ولابواسطة، لم يَكْمَلْ كمالُه المكتوبُ له؛ فكما أن المستبصر إذا رأى نوعا من أنواع الحيوان لايَتَعَيَّش إلا بالحشيش، اسْتَيْقَنَ أن اللّٰه دَبَّرَ له مرعىً، فيه حشيش كثير، فكذلك المستبصر في صُنع اللّٰه يَسْتَيْقِنُ أن هنالك طائفةً من العلوم، يَسُدُّبها العقلُ خَلَّتَه، فيكمل كمالُه المكتوبُ له.

ترجمہ: اور جان لیجئے کہ جب صورت نوعیہ کی دَین کے موافق انسان کے مزاج کا اعتدال تکمیل پذیر نہیں ہوسکتا تھا، مگر:

(۱) ایسے علوم کے ذریعہ جن کی طرف انسانوں میں سے نہایت ستھرا انسان پوری طرح متوجہ ہو، پھر دوسرے اس کی پیروی کریں۔

(۲) اور ایسی شریعت کے ذریعہ جو معارف ربانیہ اور تدبیرات نافعہ پر مشتمل ہو۔

(۳) اور ایسے قوانین کے ذریعہ جو انسان کے اعمال اختیاریہ سے بحث کریں، اور ان کو اقسام خمسہ: واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام کی طرف تقسیم کریں۔

(۴) اور ایسی تمہیدی باتوں کے ذریعہ جو سلوک کے مقامات کی وضاحت کریں۔

تو حکمتِ خداوندی اور مہرِ الٰہی میں ضروری ہوا کہ وہ اپنی ذات مقدسہ کے علم ازلی میں انسان کی قوت عقلیہ کی روزی کا سامان کریں، جس کی طرف انسانوں میں سے پاکیزہ ترین شخصیت پوری توجہ کرے، پس اس کو وہاں سے حاصل کرے، اور تمام لوگ اس شخصیت کی تابعداری کریں؛ جیسے آپ دیکھتے ہیں شہد کی مکھیوں میں کہ یعسوب کا ہونا ضروری ہے، جو اس کے تمام افراد کا نظم و انتظام کرے۔

اگر نہ ہوتا یہ علوم کا حاصل کرنا، بالواسطہ یا بلاواسطہ، تو نہ پورا ہوتا انسان کا وہ کمال جو اس کے لئے لکھ دیا گیا ہے۔ پس جس طرح یہ بات ہے کہ جب کوئی غور وفکر کرنے والا، حیوانات کی انواع میں سے کسی نوع کو دیکھتا ہے کہ وہ گھاس کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، تو وہ یقین کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ضرور کسی ایسی چراگاہ کا انتظام کیا ہوگا، جس میں وافر مقدار میں گھاس موجود ہو، پس اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کاریگری میں غور وفکر کرنے والا یقین کرتا ہے کہ وہاں (یعنی نفس الامر میں) علوم کا ایک حصہ ہے، جس سے عقل اپنی حاجت روائی کر سکتی ہے، اور اُس کا وہ کمال تکمیل پذیر ہو سکتا ہے جو اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔

لغات:

حَسَب: اندازہ، کسی چیز کی مقدار یا تعداد جیسے الأجر بحَسَب العمل، اور کہا جاتا ہے هذا بحَسَب ذلك: یہ اس کے موافق ہے اسی طرح حَسَبَمَا ذکر میں بھی یہی لفظ ہے، اردو میں بھی حَسَبِ حال کہتے ہیں، طلبہ کبھی سین پر جزم پڑھ ڈالتے ہیں یہ غلطی ہے...... تَخَلَّص إلى كذا: منتقل ہونا خَلَصَ (ن) خُلُوْصًا إلى المكان: پہنچنا...... سَدَّ (ن) سَدًّا الثُلْمَةَ: رخنہ درست کرنا سَدَّ الباب: دروازہ بند کرنا ...... الخَلَّة حاجت جمع خِلاَلٌ اور خَلَلٌ۔

تشریح:

(۱) بشریعةٍ کا عطف بعلوم پر باعادۂ حرف جر ہے اور قَوَاعِدَ اور مقدّماتٍ کا عطف بھی اسی پر حرف جر کا اعادہ کئے بغیر ہے۔

(۲) وَجَبَ إلخ لما كان کی جزاء ہے۔

(۳) بالواسطہ علوم کی تلقی کرنے والے: انبیاء کی امتیں ہیں اور بلاواسطہ تلقّی کرنے والے خود انبیاء کرام ہیں۔ انبیائے کرام خود اپنی شریعتوں پر عمل کرنے کے مکلّف ہوتے ہیں۔

(۴) تُقَسِّمُهَا میں ھی ضمیر مستتر قواعد کی طرف، اور ھا ضمیر الأعمال کی طرف راجع ہے۔

تصحیح: مطبوعہ نسخہ میں تدبیرات إتفاقية اور مقامات للإحسان تھا۔ تصحیح مخطوطہ کراچی سے کی ہے۔

☆ ☆ ☆

انسان کی تربیت کے لئے پانچ علوم ضروری ہیں

انسان کی تربیت وتکمیل پانچ علوم پر موقوف ہے، جو درج ذیل ہیں۔

① توحید وصفات کا علم: یعنی یہ جاننا ضروری ہے کہ معبود صرف ایک ہستی ہے، بندگی اسی کا حق ہے، کوئی اور بندگی کا سزاوار نہیں اور اُس معبود میں یہ یہ صفات ہیں یعنی وہ ہستی اِن اِن خوبیوں کی مالک ہے اور وہ ہر طرح کے نقائص سے پاک ہے۔

اور یہ علم اس لئے ضروری ہے کہ انسان مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہیں، مخلوق اگر خالق کو نہ پہچانے تو وہ کیا کمال حاصل کرسکتی ہے؟! اور صرف پہچاننا بھی سودمند نہیں، اپنی تمام نیاز مندیاں اس کے لئے مخصوص کرنا ضروری ہے، ورنہ در بہ در کی ٹھوکریں کھانے کے سوا حاصل کیا ہوگا؟ اسی طرح صفات حُسنیٰ کا علم بھی ضروری ہے، کیونکہ انسان کی تربیت کا تعلق صفات سے بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو علیم وخبیر مانے گا تبھی خلوت وجلوت میں اس کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ وہ اللہ کی رزّاقیت پر مطمئن ہونے کے بعد ہی ناخداؤں سے رشتہ توڑے گا۔ غرض صفات جاننے پر یہ بات موقوف ہے کہ بندوں کو اللہ کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کرنا چاہئے۔

مگر ذات وصفات کا علم دقیق ترین علم ہے کیونکہ انسان معنویات کو بھی محسوسات کے ذریعہ سمجھنے کا عادی ہے اور ذات وصفات وراء الوارء ہیں، محسوسات سے ان کی کوئی مشابہت نہیں، پھر انسان سمجھے تو کیسے سمجھے! مگر بہر حال ان کی معرفت بھی ضروری ہے اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں یہ مسئلہ نہایت وضاحت سے سمجھایا گیا ہے۔

پہلے دو مختصر جملوں میں ساری بات سمجھا دی ہے، فرمایا **سبحـان اللّٰـہ وبحمدہ** (اللہ پاک ہیں اور خوبیوں کے ساتھ متصف ہیں) یعنی ان کی ذات ہر نقص وعیب اور ہر کمی سے پاک ہے، اس میں تمام صفات سلبیہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ اپنی تعریف کے ساتھ ہیں، اور تعریف اس ہستی کی جاتی ہے جو خوبیوں کے ساتھ متصف ہو، پس یہ تمام صفات ثبوتیہ کی طرف اشارہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے وہ صفات ثابت کیں، جو انسانوں میں صفات مدح سمجھی جاتی ہیں مثلاً زندگی، سننا، دیکھنا، قادر ہونا، ارادہ کرنا، بات کرنا، غصہ ہونا، ناراض ہونا، مہربانی کرنا، بادشاہ ہونا، بے نیاز ہونا وغیرہ۔ اور ساتھ ہی یہ ضابطہ سمجھا دیا کہ: ''اللہ کے مانند کوئی چیز نہیں'' تاکہ اللہ کی صفات کو سمجھنے میں انسان غلطی نہ کرے، پھر اس ''مانند نہ ہونے'' کو بھی کھول کر سمجھایا کہ وہ جانتے بیشک ہیں، مگر ان کا جاننا ہمارے جاننے کی طرح نہیں۔ وہ بارش کے قطروں کی گنتی، بیابان کے ریت کی تعداد، درختوں کے پتوں کا شمار اور حیوانات کے سانسوں کی گنتی بھی جانتے ہیں۔ وہ دیکھتے ضرور

ہیں، مگر ان کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، وہ تاریک رات میں چیونٹی کے رینگنے کو بھی دیکھتے ہیں، وہ سنتے یقیناً ہیں مگر ان کا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں، وہ کواڑ بھڑے ہوئے کمروں میں لحافوں کے نیچے دلوں کی دھڑکن کو بھی سنتے ہیں۔ اسی طرح دیگر صفات میں بھی عدم مماثلت واضح فرمادی تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات جیسا نہ سمجھ بیٹھے۔ شرک کی دلدل یہیں سے شروع ہوتی ہے، مشرکین اللہ کی صفات کا کما حقہ ادراک نہیں رکھتے، اس لئے وہ شرک کی گندگی میں مبتلا ہیں۔

(۲) عبادتوں کا علم: یعنی بندوں کو پروردگار کی بندگی کس طرح کرنی چاہئے؟ اس کی درست صورتیں کیا ہیں؟ اور غلط طریقے کیا ہیں؟ کیونکہ غلط طریقوں سے بندگی کرنے سے بجائے قرب کے دوری پیدا ہوتی ہے۔

(۳) تدبیرات نافعہ کا علم: انسان کو اللہ کی بندگی اور آخرت کے کاموں کے لئے پیدا کیا گیا ہے، مگر اسے ایک وقت تک دنیا میں رہنا ہے اس لئے ارتفاقات کا علم بھی ضروری ہے، جیسے مدارس عربیہ کے طلبہ کا مقصدِ حیات دین پڑھ کر دین کی خدمت کرنا ہے، مگر ان کو دنیا سے بھی سابقہ پڑتا ہے، اس لئے ضروری دنیوی علوم، بالخصوص رائج زبانوں کا علم ضروری ہے، تاکہ دنیوی زندگی میں ان کو کسی الجھن سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

(۴) استدلال کا علم: یعنی جب کسی اسلامی مسئلہ میں معمولی لوگوں کو شبہات پیش آئیں اور وہ اسلام پر اعتراضات کریں تو ان کی عقدہ کشائی کیسے کی جائے؟ قرآن کریم میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے شکوک وشبہات کا قلع قمع کیا گیا ہے۔ یہ استدلال کا علم بھی انسان کے لئے ضروری ہے۔

(۵) پند وموعظت کا علم: لوہے کی طرح دل بھی زنگ آلود ہوتا ہے، دنیا کی مشغولیتوں سے دل سخت ہوجاتا ہے، اس لئے وقتاً فوقتاً پند وموعظت ضروری ہے، قرآن بھی درمیان درمیان کلام میں یہ کام کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی وقفہ وقفہ سے وعظ کہتے تھے اور پند وموعظت تین قسم کے مضامین سے کی جانی چاہئے:

(۱) انسان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں۔ مشہور مقولہ ہے **الإنسان عبد الإحسان** یعنی احسان مند ہونا انسان کی خصوصیت ہے اس لئے جب اس کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی تو اس میں ضرور شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہوگا۔

(۲) وہ واقعات بیان کئے جائیں جو حق وباطل کی کشمکش کے نتیجہ میں پیش آئے ہیں، جن میں اہل حق کو نجات ملی ہے اور اہل باطل تباہ ہوئے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا سمندر سے پار ہونا، اور فرعونیوں کے قہر وعذاب سے بچ جانا، اور فرعون کا لاؤ لشکر سمیت غرقاب ہوجانا اور صفحۂ ہستی سے مٹ جانا۔ غرض اس قسم کے واقعات بھی پند وموعظت میں مفید ہیں، کیونکہ انسان کے سامنے جب عواقب اعمال کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں تو اس کا دل پگھل جاتا ہے۔

(۳) مرنے کے بعد قبر میں، پھر قیامت کے میدان میں جو احوال پیش آئیں گے۔ اسی طرح جہنم اور اس کی ہولناکیوں کا تذکرہ کرنے سے بھی دل متأثر ہوتا ہے، اور آدمی میں آخرت کے لئے تیاری کرنے کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

وتلك الطائفة:

منها : علم التوحيد والصفات: ويجب أن يكون مشروحا،بشرح ينالُه العقل الإنساني بطبيعته، لامُغْلَقا لاينالُه إلا من يَنْدُرُ وجودُ مثلِه؛ فَشَرَح هذا العلمَ بالمعرفة المشارِ إليها بقوله: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ" فأثبت لنفسه صفاتٍ يعرفونها ويستعملونها بينهم: من الحياة والسمع، والبصر، والقدرة، والإرادة، والكلام، والغضب،والسُّخط، والرحمة، والْمُلك، والْغِنى؛ وأثبت مع ذلك: أنه ليس كمثله شيئ في هذه الصفات، فهو حيٌّ لاكحياتنا، بصير لاكبصرنا،قدير لاكقدرتنا، مريد لاكإرادتنا، متكلم لاككلامنا، ونحوُ ذلك؛ ثم فُسِّر عدمُ المماثلة بأمور نَسْتَبْعِدُهَا في جنسنا، مثلُ أن يقال: يَعلم عددَ قَطْرِ الأمطار، وعددَ رملِ الفيافِيِّ، وعددَ أوراقِ الأشجار، وعددَ أنفاس الحيوانات، ويبصُر دَبِيْبَ النَّملِ في الليلة الظَّلْماء، ويسمع ما يُتَوَسْوَس به تحتَ اللُّحُف،في البيوت المُغْلَقَةِ عليها أبوابُها،ونحو ذلك.

ومنها: علم العبادات.

ومنها: علم الارتفاقات.

ومنها : علم المخاصمة، أعني: أن النفوس السِفْلية إذا تولَّدت بينها شُبُهَاتٌ، تُدافع بها الحقَّ، كيف يُحل تلك العُقَد؟

ومنها: علم التذكير بآلاء الله، وبأيام الله، وبوقائع البرزخ والحشر.

ترجمہ:اوروہ مجموعۂ علوم یہ ہیں:

ان میں سے ایک: توحید وصفات کاعلم ہے،اورضروری ہے کہ اس کی اس طرح وضاحت کی جائے کہ انسانی عقل اپنی فطری صلاحیت سے سمجھ لے، ایسا مغلق انداز بیان نہ ہو کہ جسے وہ لوگ ہی سمجھ سکیں جن کے مانند کا پایا جانا نادر ہے (یعنی شاذونادرلوگ ہی سمجھ سکیں) چنانچہ اس علم کی تشریح کی اُس معرفت کے ذریعہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے سبحان الله وبحمده سے،پس اللہ نے اپنے لئے وہ صفات ثابت کیں جن کولوگ جانتے ہیں،اورجن کو باہم استعمال کرتے ہیں یعنی زندہ ہونا،سننا، دیکھنا،قادر ہونا،ارادہ کرنا، بات کرنا،غصہ ہونا، ناراض ہونا،مہربانی کرنا، بادشاہ ہونا اور بے نیاز ہونا،اوراسی کے ساتھ ثابت کیا کہ اللہ کے مانند ان صفات میں کوئی چیز نہیں ۔ پس وہ زندہ ہیں مگر ہمارے زندہ ہونے کی طرح نہیں،وہ دیکھنے والے ہیں مگر ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں،وہ قدرت والے ہیں مگر ہماری قدرت کی طرح نہیں،وہ ارادہ کرنے والے ہیں مگر ہمارے ارادہ کرنے کی طرح نہیں،وہ بات کرنے والے ہیں مگر ہمارے بات کرنے کی طرح نہیں،اوراس کے مانند،پھراس "مانند نہ ہونے" کی تفسیر کی گئی ایسی چیزوں کے ذریعہ جن کو ہم مستبعد سمجھتے ہیں

ہماری جنس میں (یعنی انسانوں میں) جیسے یہ کہا جائے کہ وہ بارش کے قطروں کی تعداد، جنگل کے ریت کے ذروں کی مقدار، درختوں کے پتوں کا شمار، اور حیوانات کے سانسوں کی گنتی جانتے ہیں۔ اور وہ تاریک رات میں چیونٹی کے رینگنے کو دیکھتے ہیں اور وہ ان باتوں کو سنتے ہیں جن کے وسوسے گزرتے ہیں، لحافوں کے نیچے، ایسے گھروں میں جن کے دروازے بھڑے ہوئے ہیں، اور اس کے مانند تعبیرات۔

اور ان میں سے ایک: عبادتوں کا علم ہے۔

اور ان میں سے ایک: تدبیرات نافعہ کا علم ہے۔

اور ان میں سے ایک: جھگڑا کرنے کا علم ہے، میری مراد یہ ہے کہ معمولی درجہ کے لوگوں کے دلوں میں جب شبہات جنم لیں، جس سے وہ حق کا مقابلہ کریں، تو ان گرہوں کو کیسے کھولا جائے؟

اور ان میں سے ایک: اللہ کی نعمتوں، اللہ کے دنوں اور برزخ اور حشر کے واقعات سے نصیحت کرنے کا علم ہے۔

تصحیح: نستبعدها فی جنسنا مطبوعہ نسخہ میں مستبعدة فی جنسنا تھا، تصحیح مخطوطہ کراچی سے کی ہے۔

☆ ☆ ☆

علم ازلی میں علوم خمسہ کی تعیین

اوپر جن علوم خمسہ کا ذکر آیا ہے، جو انسانوں کی تربیت کے لئے ضروری ہیں، وہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین ﷺ تک سبھی امتوں کے لئے ضروری ہیں، ہر زمانہ میں یہی علوم نازل کئے گئے ہیں، البتہ ہر زمانہ کے لوگوں کی استعداد ملحوظ رکھ کر ان کی شرح کی گئی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں چند باتوں پر نظر ڈالی:

ایک: نوع انسانی پر جو آئندہ وجود میں آنے والی ہے۔

دوسری: انسانوں کی اس استعداد پر جو ان میں برابر چلتی رہے گی، اور ایک دوسرے کا وارث ہوتا رہے گا۔

تیسری: انسانوں کی قوت ملکیہ پر، کیونکہ اس کی غذا بھی فراہم کرنی ضروری ہے۔

چوتھی: اس تدبیر پر جو انسانوں کی اصلاح کے لئے ضروری ہے، یعنی مذکورہ علوم خمسہ ضروری ہیں جن کی ہر زمانہ کی استعداد کے مطابق شرح کی گئی ہے۔

مذکورہ چاروں باتوں پر نظر ڈال کر اللہ پاک کی ذات میں مذکورہ علوم خمسہ محدود و متعین ہو کر متمثل ہو گئے یعنی یک گونہ ان کا وجود ہو گیا، علوم خمسہ کا یہی وجود اشاعرہ کی اصطلاح میں ''کلام نفسی'' کہلاتا ہے اور وہ اسی کو قدیم مانتے ہیں اور یہی اللہ کی صفت کلام ہے جو اللہ کی صفات علم وارادہ اور قدرت کے علاوہ ہے۔